حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علیؓ بن ابی طالب

حضرت علیؓ کا نام ان پاک وجودوں میں شامل ہے جنہوں نے بہت ابتدائی دور میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے بیان کردہ صداقتوں کو قبول کیا۔ کم عمری اور کمسنی کے باوجود اپنی فطری نیکی اور اعلیٰ صلاحیتوں کی بناء پر آپ نے سچائی کو پہچانا اور پھر تادمِ آخر اس مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم ہو گئے کہ اپنی جان تک اس راہ میں فدا کر دی۔ تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنے والے یہ عظیم اور پاک وجود ہمارے لئے راہنما ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چل کر ہی ہم دین اور دنیا کی بھلائیاں حاصل کر سکتے ہیں۔

پیش لفظ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کے چوتھے خلیفہ راشد تھے۔ رشتہ میں آپ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی، اور داماد تھے۔ آپ نیکی، زہد، تقویٰ اور انکساری جیسے اعلیٰ خصائل کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کی قائدانہ صلاحیات کے حامل تھے۔ آپؓ آنحضرت ﷺ اور آپ کے تینوں خلفاء راشدین سے محبت، عقیدت اور وفا کا تعلق رکھتے تھے۔ اللہ کرے ہم سب اپنے بزرگان سلف کے اوصاف کو اپنانے والے ہوں اور کامیاب زندگی گذارنے والے ہوں۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علی رضی اللہ عنہ

نام ونسب، خاندان اور پیدائش

آپ کا نام علیؓ تھا۔ کنیت ابوالحسن وابوتراب اور لقب حیدر تھا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام ابوطالب اور والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔

حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ آپ کی پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے گیارہ برس قبل ہوئی۔ حضرت علیؓ کے والدین کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش آپؐ کی والدہ کی وفات کے بعد اسی گھرانے میں ہوئی۔ یعنی اپنے چچا حضرت ابوطالب کے پاس اور حضرت ابوطالب نے بہت محبت اور شفقت کے ساتھ اپنے بھتیجے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی اور اپنی وفات تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں تک ممکن ہوسکا ساتھ دیا اور کفار کے بالمقابل ہراہم موقع پرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سینہ سپر رہے۔

ایسا ہی حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے بھی ماں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی۔ روایات کے مطابق حضرت فاطمہ بنت اسد نے اسلام قبول کرلیا تھا اور مدینہ ہجرت بھی کی اور وہیں انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال پرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک انہیں پہنائی اور خود قبر میں لیٹ کر قبر کو متبرک کیا۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد میں اس نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں۔

(اسدالغابہ)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچپن تو حضرت ابوطالب کی

کفالت میں گزارا۔لیکن حضرت علیؓ کی پیدائش کے بعد حضرت ابوطالب کے مالی حالات کو دیکھتے ہوئے ان کے بیٹوں کو آپ کے دوسرے قریبی رشتہ داروں نے پرورش کے لیے اپنے پاس رکھ لیا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور حضرت علیؓ کی خوش نصیبی یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کفالت کے لیے اپنے پاس رکھ لیا۔

(زرقانی جلد اوّل)

شرف اسلام

حضرت علیؓ دس سال کی عمر کے تھے کہ انہوں نے حضرت خدیجہؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت میں مصروف دیکھا۔ عبادت کے اس طریق نے حضرت علیؓ کے دل پر گہرا اثر کیا۔ آپ نے حیرت واستعجاب کے رنگ میں پوچھا کہ آپ کیا کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اس سے آگاہ کیا تو حضرت علیؓ نے بھی آپ کے اس طریق عبادت اور مذہب کو قبول کر لیا۔ اس طرح بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت علیؓ تھے۔ آپ کی عمر اس وقت دس برس تھی۔

مکی زندگی اور ایک تاریخی عہد

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تیرہ سال گزارے اور بچپن سے گزرتے ہوئے نوجوانی کی عمر کو پہنچے۔ اس عرصہ میں آپ کی خوش نصیبی یہ رہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت آپ کو مستقل نصیب رہی۔ کفار ومشرکین کی مجالس میں عموماً حضرت علیؓ بھی آپؐ کے ساتھ ہوتے۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ خود اس زمانے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے اس طرح رہتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اونٹنی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور اگرچہ کم عمری کے باعث آپ کوئی اہم کارنامہ یا خدمت تو سرانجام نہ دے سکتے تھے لیکن سب سے اہم اور قابل ذکر بات یہی ہے کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل صحبت میسر رہی

اور اس دوران جب مسلمان ابھی چھپ چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے تو حضرت علیؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس عبادت میں مصروف ہوتے۔ ایک روز حضرت ابوطالب نے حضرت علیؓ کو عبادت کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا تو حضرت علیؓ نے اپنے قبول اسلام کا تذکرہ کیا۔ اس پر حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ بیٹا! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہتا ہے وہ صحیح ہے اور تم اس کی بات پر عمل کرو کوئی حرج نہیں۔

(اسد الغابہ)

بچپن کے اس زمانے میں حضرت علیؓ کا ایک واقعہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جانے والا ہے جو بچوں اور نوجوانوں کے لیے قابل رشک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے تمام رشتہ داروں کو تبلیغ کے لیے اکٹھا کیا اور ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ اس دعوت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز واقارب میں سے کم وبیش چالیس افراد شامل تھے۔ جن میں حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، ابوطالب اور ابولہب وغیرہ بھی شامل تھے۔ آپ نے سب کو مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے بنو عبدالمطلب! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا وآخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون ومددگار ہوگا۔''

اس کے جواب میں سارے خاموش رہے۔ محفل پر سکوت طاری تھا۔ کسی کو بھی یہ توفیق نہ مل سکی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں کوئی لفظ کہہ پاتا۔ یہ عالم دیکھ کر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور یوں کہنے لگے:

''گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور میری آنکھیں بھی دکھتی ہیں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں تاہم میں آپ کا معاون ہوں گا اور دست وبازو بنوں گا۔''

(طبری۔مسند احمد بن حنبل)

ہجرت مدینہ اور جانثاری کا عدیم المثال کارنامہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ ہجرت فرمانے کا ارادہ کیا تو ہجرت کے اس سفر کے ساتھ دو ایسے صحابہ کا نام ہمیشہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و وفا اور اعتماد کے رشتوں میں سب پر سبقت لے گئے۔ عشق و محبت کے باب میں سرفہرست آنے والے یہ دو نام تھے۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے حضرت علیؓ۔ حضرت ابوبکرؓ کو تو یہ سعادت عظمیٰ ملی کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسفر بنے اور حضرت علیؓ کے حصہ میں یہ قربانی آئی کہ ہجرت کی پُر خطر رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ آپؓ کو لٹا دیا اور خود ہجرت فرما گئے۔

فدائیت اور جاں نثاری کا یہ عدیم المثال کارنامہ تھا جو حضرت علیؓ نے بائیس، تئیس برس کی عمر میں سرانجام دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس واقعہ کو اپنی تحریر میں یوں بیان فرمایا ہے:

''کفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے اس پاک نبی کو اس بدارادہ کی خبر دے دی اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا اور پھر بفتح و نصرت واپس آنے کی بشارت دی۔ بدھ کا روز اور دوپہر کا وقت اور سخت گرمی کے دن تھے جب یہ ابتلا منجانب اللہ ظاہر ہوا۔ اس مصیبت کی حالت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ناگہانی طور پر اپنے قدیمی شہر کو چھوڑنے لگے اور مخالفین نے مار ڈالنے کی نیت سے چاروں طرف سے اس مبارک گھر کو گھیر لیا۔ تب ایک جانی عزیز جس کا وجود محبت اور ایمان سے خمیر کیا گیا تھا جانبازی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر باشارۂ نبویؐ اس غرض سے منہ چھپا کر لیٹ رہا کہ تا مخالفوں کے جاسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکل جانے کی کچھ تفتیش نہ کریں اور اسی کو رسول اللہ سمجھ کر قتل کرنے کے لیے ٹھہرے رہیں۔ ......

سو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس وفادار اور جاں نثار عزیز کو اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے تو آخر تفتیش کے بعد ان نالائق بد باطن لوگوں نے تعاقب کیا اور چاہا کہ راہ میں کسی جگہ پا کر قتل کر ڈالیں اس وقت اور اس مصیبت کے سفر میں بجز ایک با اخلاص اور یکرنگ اور دلی دوست کے اور کوئی انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھا۔''

(سرمہ چشم آریہ صفحہ 64،65، روحانی خزائن جلد نمبر 2 صفحہ 16،17 حاشیہ)

حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے بھائی

حضرت علیؓ مکہ میں اس لیے رکے رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جن لوگوں کی امانتیں پڑی ہوئی تھیں، حضرت علیؓ بحفاظت اُن لوگوں تک پہنچا دیں۔ ان تمام امور سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ نے بھی مکہ کو الوداع کہا اور مدینہ ہجرت فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی قیام فرما ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ میں مؤاخات (یعنی آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بنایا جانا) قائم فرمائی تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔

حضرت علیؓ کی غزوات میں شرکت اور

جرأت و بہادری کے جوہر

غزوہ بدر

سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ بدر کا معرکہ ہے۔ اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم 313 صحابہ کے ساتھ مدینہ سے بدر کے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کے لشکر کے آگے دو سیاہ جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ان میں سے ایک جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ جنگ کے آغاز میں عرب کے دستور کے مطابق مبارزت کے موقع پر (عرب میں دستور تھا کہ میدان جنگ میں جب دونوں لشکر صف بندی کر لیتے تو ایک یا ایک سے زائد بہادر ترین افراد آگے آتے اور مدمقابل کو جنگ کے لیے بلاتے اور وہ الگ الگ ایک دوسرے کے ساتھ بہادری کے جوہر دکھاتے۔ اس انفرادی مقابلہ کو ''مبارزت'' کہا جاتا تھا) قریش کی طرف سے تین بہادر مسلح افراد آئے اور مسلمانوں کو للکارا کہ کسی میں ہمت ہے تو ہمارے مقابل پر آئے۔ مشرکین کی طرف سے آنے والے عتبہ، شیبہ اور ولید تھے۔ انصار مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ان کا مقابلہ کرنا چاہا تو عتبہ اور شیبہ نے کہا کہ یہ ہماری ٹکر کے لوگ نہیں، ہمارے مقابلہ کے لوگ بھیجے جائیں۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی عزیزوں میں سے تین کے نام لیے اور فرمایا کہ حمزہ! تم اٹھو، علی! تم اٹھو اور عبیدہ! تم اٹھو۔ چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے یہ مہاجرین ان کے مقابل پر آئے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے ایک ہی وار میں عتبہ اور ولید کا خاتمہ کر دیا اور حضرت علیؓ نے بعد میں اپنے دوسرے ساتھی حضرت عبیدہؓ کی مدد کرتے ہوئے شیبہ کا بھی کام تمام کیا۔ اس کے بعد عام جنگ کا آغاز ہوا اور حضرت علیؓ نمایاں جنگجو بہادروں میں سے ایک تھے۔ اس جنگ سے

مسلمان ستر قیدیوں اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے۔

حضرت فاطمہؓ سے شادی

جنگ بدر کے بعد اِسی سال یعنی 2 ہجری میں حضرت علیؓ کو آنحضرت کی مزید قربت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہت ہی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ الزہرؓا کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا۔ نکاح کے دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی۔ حضرت علیؓ نے اپنی زرہ بیچ کر شادی کے انتظامات کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نکاح پڑھایا۔ دونوں میاں بیوی کو خیر و برکت کی دعا دی۔ حضرت حارثؓ بن نعمان کے مکان میں حضرت علیؓ اپنی زوجہ مبارکہ کو لے کر رہائش کے لیے ٹھہرے۔ حضرت فاطمہؓ مختصر جہیز کے سامان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے کبھی نہ ختم ہونے والے خزانے کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت ہوئیں اور حضرت علیؓ کے ساتھ عائلی زندگی کا آغاز فرمایا۔

غزوہ اُحد

3 ہجری میں جنگ اُحد ہوئی۔ حضرت علیؓ نے اس جنگ میں بھی اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ ایک موقع پر حضرت مصعب بن عمیرؓ نے جب جھنڈے کو نیچے گرنے سے بچانے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تو اس جھنڈے کو بہادری کے ساتھ آگے بڑھ کر تھامنے والے حضرت علیؓ ہی تھے۔

مشرکین کے علمبردار ابوسعد بن طلحہ نے جب مقابلہ کے لیے للکارا تو حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ وہ زمین پر گر گیا اور تڑپنے لگا۔ اسی جنگ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو کر گر گئے تو حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ چند صحابہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پہاڑ پر بحفاظت لے گئے۔ حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم دھوئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے خُود کی کڑیاں آپ کے رخسار مبارک سے نکالیں۔ اسی دوران حضرت فاطمہؓ بھی مدینہ سے اُحد کے میدان میں پہنچ چکی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ

نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں سے خون بند نہیں ہو رہا تو چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخموں کے منہ بند کیے۔

غزوہ خندق

5 ہجری میں غزوہ خندق پیش آیا۔ اس میں مدینہ کے اِردگرد خندق کھود کر مسلمانوں نے دفاع کیا۔ کفار کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حملہ ہوا تو حضرت علیؓ نے چند ساتھیوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ ان کے سردار عَمرو بن عَبۡدِوُدّ نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی تو حضرت علیؓ سامنے آئے۔ عمرو بن عبدود نے حضرت علیؓ کو دیکھ کر استہزاء کرتے ہوئے کہا کہ تم جاؤ میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت علیؓ نے کہا لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں وہ طیش میں آ کر گھوڑے سے نیچے اُترا اور وار کیا۔ تھوڑی دیر کے مقابلہ کے بعد عمرو بن عبدود کو حضرت علیؓ نے مار ڈالا۔

دیگر غزوات مثلاً غزوہ بنونضیر اور غزوہ بنوقریظہ میں بھی حضرت علیؓ نے شرکت کی اور آپ کے ہاتھ میں جھنڈا ہوتا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کفار اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ لکھنے کا وقت آیا تو حضرت علیؓ نے ہی معاہدہ لکھا۔

فتح خیبر

7 ہجری میں بدعہدی کرنے والے خیبر کے یہودیوں پر فوج کشی کی گئی۔ یہاں یہود کے بڑے بڑے قلعے تھے اور ان پر یہود کو بہت فخر تھا کہ یہ آسانی سے تسخیر ہونے والے نہیں۔ متعدد دن گزر گئے اور مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں اس کو جھنڈا دوں گا جو خدا اور اس کے رسول کا محبوب ہے اور خیبر کی فتح اس کے ہاتھ سے مقدر ہے۔ صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی کہاں ہے۔ حضرت علیؓ آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا جس سے حضرت علیؓ کو شفا ہوگئی۔ آپؐ نے جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں پکڑایا۔

یہود کا سردار مرحب جو ایک نامی پہلوان تھا متکبرانہ انداز میں رجز پڑھتا ہوا نکلا۔

حضرت علیؓ نے اس کی متکبرانہ رجز کا جواب اشعار ہی میں اس طرح دیا ع

اَنَا الَّذِی سَمَّتۡنِیۡ اُمِّیۡ حَیۡدَرَہۡ
کَلَیۡثِ غَابَاتٍ کَرِیۡہِ الۡمَنۡظَرَہۡ

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر (شیر) رکھا ہے۔ کچھاروں کے مہیب ڈراؤنے شیر کی مانند۔ جس کا چہرہ انتہائی بارعب ہوتا ہے۔

فتح مکہ

رمضان 8ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں اور جب مکہ فتح ہوا اور وقت آیا کہ خانہ کعبہ کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا آپؐ خانہ کعبہ کے گرد جس قدر بت تھے سب کو لکڑی سے گراتے جاتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے۔ جَاءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَهُوۡقاً۔ پھر خانہ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی تصویروں کو وہاں سے ہٹایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے۔

غزوہ حنین

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا جس میں مدمقابل فریق نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے اور ان میں سے ایک حضرت علیؓ بھی تھے۔ آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے بلکہ دشمنوں کے سردار پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی۔ (سیرت ابن ہشام)

اہل بیت کی حفاظت

9 ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ شیر خدا کو منافقین کی طعنہ زنی نے رنجیدہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو اس حال کا علم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لیے فرمایا: علیؓ! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرو گے کہ تمہاری نسبت میرے ساتھ ایسی ہو جیسا کہ ہارون کی موسیٰ کے ساتھ تھی۔

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ مناقب علیؓ)

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ اسی اثناء میں سورۃ توبہ نازل ہوئی۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر یہ سورۃ سنائیں۔

مہم یمن اور اشاعت اسلام

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان 10 ہجری میں حضرت علیؓ کو یمن جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جا رہا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں ان لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا میرے لیے نہایت دشوار ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا دی کہ:

''اے خدا! اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر دے۔''

اور اس کے بعد خود اپنے دست اقدس سے آپ کے سر پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت علیؓ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ بدل گیا اور حضرت علیؓ مرتضیٰ کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے لوگ اسلام کے شیدائی ہو گئے اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔

(فتح الباری جلد 8 صفحہ 152)

حجۃ الوداع میں شرکت

اسی سال یعنی 10 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا۔ حضرت علیؓ بھی یمن سے آ کر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاوّل 11 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ حضرت علیؓ نے دوسرے اصحاب کے ساتھ نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا۔ ایک روز باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا: اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علیؓ نے اطمینان ظاہر کیا۔ دس روز کی مختصر علالت کے بعد 12 ربیع الاول سوموار کے دن دو پہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں کو داغ مفارقت دیا۔ حضرت علیؓ چونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن تھے، اس لیے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراحل میں آپ شامل رہے۔

(کنز العمال جلد 5 صفحہ 609)

خلفاء سے تعلق

سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی۔ حضرت علیؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی اور آپ کے دست راست بن کر مشوروں میں شریک رہے۔

سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ سے بھی مشورہ فرماتے اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ جب بیت المقدس گئے تو انہیں امیر مقامی بنا کر گئے۔

(تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 106)

حضرت عمرؓ کے ساتھ اتحاد و یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتہ مصاہرت قائم ہو گیا۔ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی اُمّ کلثومؓ حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں منافقین کا فتنہ و فساد شروع ہوا تو

حضرت علیؓ نے ان کے رفع کرنے کے لیے ان کو نہایت مخلصانہ مشورے دیے۔ جب منافقین نے نہایت سختی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا تو حضرت علیؓ محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے تو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے۔ اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ محاصرین نے حضرت علیؓ کی سفارش کی کچھ پرواہ نہ کی اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ غصہ میں واپس چلے گئے۔

(ابن اثیر جلد 3 صفحہ 129)

تاہم اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لیے بھیج دیا جنھوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی یہاں تک کہ اس کشمکش میں زخمی ہوئے لیکن کثیر التعداد مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا۔ محاصرین دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو اس سانحۂ جانکاہ پر حد درجہ پریشان ہوئے اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

خلافت حضرت علیؓ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تین دن بعد تک مسند خلافت خالی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا۔ انہوں نے پہلے اس بارگراں کے اُٹھانے سے انکار کر دیا لیکن آخر میں مہاجرین وانصار کے اصرار پر ذمہ داری سنبھالنے پر تیار ہوئے گئے اور اس واقعہ کے تیسرے دن 21 ذوالحجہ سوموار کے دن مسجد نبویؐ میں حضرت علیؓ کے دست اقدس پر بیعت ہوئی۔

آپ کے عہد خلافت میں کئی قابل ذکر کام ہوئے مثلاً:

1۔ پہلے خلفاء کی طرح آپ بھی غریبوں اور ضرورت مندوں کی بہت مدد کرتے تھے۔
2۔ شام کی سرحدوں پر فوجی چوکیاں قائم کیں۔
3۔ بیت المال کی حفاظت کا بہتر انتظام کیا۔
4۔ کئی جگہوں پر فوجی چھاؤنیاں اور قلعے بنائے۔
5۔ دریائے فرات پر ایک بڑا پل بنایا جو جسرِ فرات کے نام سے مشہور ہے۔
6۔ مختلف جگہوں پر کنوئیں، نہریں اور جانوروں کے لیے چراگاہیں بنوائیں۔
7۔ آپ کے زمانہ میں دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل ہوا۔
8۔ آپ کے زمانے میں منافقوں نے شرارتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا دیا تھا۔ آپ مسلمانوں میں صلح صفائی کراتے رہے اور مسلمانوں کو آپس میں اتفاق سے رہنے کی نصیحت کرتے رہے۔
9۔ منافقوں اور دشمنوں کی سازش سے ایران میں کئی دفعہ بغاوت ہوئی جس میں بہت سے سادہ مسلمان بھی شامل ہوتے رہے۔ آپ ہمیشہ حوصلہ سے کام لیتے رہے اور مسلمانوں کو سمجھا بجھا کر منافقوں کی شرارتوں سے آگاہ کرتے رہے۔ ایرانی آپ کی نرمی سے اتنے متاثر ہوئے کہ کہنے لگے اس مسلمان خلیفہ نے نوشیرواں کی یاد دلا دی ہے۔

منافقین نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے یہ سمجھا تھا کہ اب ہم مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر ان کی طاقت کمزور کر دیں گے اور آہستہ آہستہ اسلام کو ہی ختم کر دیں گے۔ حضرت علیؓ منافقوں کی یہ چال سمجھتے تھے اس لیے آپ نے لڑائی ختم کر کے اور مختلف گروہوں میں صلح کرا کر جہاں امن وامان قائم کیا وہاں اگرچہ آپ پوری طرح حالات پر قابو نہ پا سکے۔ مگر پھر بھی بڑی حد تک منافقوں کی سازشوں کو ناکام اور بے اثر بنا دیا۔

شہادت

منافقوں نے جب یہ دیکھا کہ حضرت علیؓ ان کی شرارتوں سے واقف ہوگئے ہیں اور انہوں نے مسلمان باغیوں سے بھی جو ان کی چال میں آ گئے تھے صلح کر لی ہے تو وہ اس بات سے ڈر گئے کہ اب سارے مسلمان ہماری چال سمجھ جائیں گے۔

بحث ومباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک تین آدمی علیؓ، معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص صفحہ ءہستی پر موجود ہیں ہمیں کامیابی نہیں ہوسکتی چنانچہ تین آدمی ان تینوں کو شہید کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا میں علیؓ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں۔ اسی طرح نزال نے معاویہؓ اور عبداللہ نے عمروؓ بن العاص کے قتل کا بیڑہ اُٹھایا اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوگئے۔ کوفہ پہنچ کر ابن ملجم کے ارادہ کو قطام نامی ایک خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا اور اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا اور حضرت علیؓ کا خون اس کا مہر قرار دیا۔

غرض رمضان 40 ہجری میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص اتفاقی طور پر بچ گئے۔ حضرت معاویہؓ پر وار صحیح نہ ہوا۔ حضرت عمروؓ بن العاص اس دن امامت کے لیے نہیں آئے تھے ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا، وہ عمروؓ بن العاص کے دھوکہ میں مارا گیا۔ حضرت علیؓ مسجد میں تشریف لائے اور ابن ملجم کو جو مسجد میں آ کر سو رہا تھا جگایا۔ جب آپ نے نماز شروع کی سجدہ میں گئے تو اسی حالت میں بد بخت ابن ملجم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا سر پر زخم آیا اور ابن ملجم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا۔

(طبری صفحہ 2457، 2458)

حضرت علیؓ اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اس لیے حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو بلا کر نصائح کیں اور محمد بن حنفیہ (یہ حضرت علیؓ کی دوسری اہلیہ سے تھے) کے

ساتھ لطف و مدارت کی تاکید کی۔ کسی نے عرض کی امیر المومنین! آپ کے بعد ہم لوگ امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ فرمایا: اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ تم لوگ خود اس کو طے کرو۔ اس کے بعد مختلف وصیتیں کیں۔ قاتل کے متعلق فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا۔

(طبری صفحہ 2461)

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا اور اسی روز یعنی 17 رمضان 40 ہجری کی رات کو یہ فضل و کمال اور رشد و ہدایت اور خلافت راشدہ کا ستارہ غروب ہوگیا حضرت امام حسنؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں کی بجائے پانچ تکبیریں کہیں اور کوفہ کے قریب ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا۔ (طبری جزء 3 صفحہ 160)

اخلاق و عادات اور ذاتی حالات

حضرت علیؓ مرتضیٰ نے ایامِ طفولیت ہی سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لیے وہ قدرتاً محاسن اخلاق اور حسن تربیت کے نمونہ تھے۔ آپ کی زبان کبھی کلمۂ شرک و کفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی۔ جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے۔ شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی کبھی بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی۔

امانت و دیانت

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے اس لیے ابتدا ہی سے اس خلق سے متصف ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں رہتی تھیں۔ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی ذمہ داری حضرت علیؓ کے سپرد کی۔ اپنے عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی عظیم امانتداری فرمائی۔ اس کا اندازہ حضرت اُمّ کلثومؓ کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں

آئیں۔امام حسنؓ وامام حسینؓ نے ایک ایک نارنگی اُٹھالی۔آپ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کردیں۔

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر نہایت احتیاط سے قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں۔

ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا اس میں ایک روٹی بھی تھی۔حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کئے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا۔

ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی تاکہ بیت المال قیامت میں ان کی امانت و دیانت کا شاہد رہے۔

زُہد

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی۔کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کی بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمرؓ بن الخطاب نے ہمیشہ ہی ان عالی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔مجھے بھی اس کی حاجت نہیں۔میدان میرے لیے بس کافی ہے۔

بچپن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے۔اس نئی زندگی کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ جو ساز و سامان اپنے میکہ سے لائی تھیں اس میں کسی چیز کا بھی خاطر خواہ اضافہ نہ ہوسکا۔چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر ننگا ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا۔بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے۔ایک دفعہ شدت بھوک میں گھر سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کما لائیں۔مدینہ کے مضافات میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے۔یہ خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے،اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے۔

یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔غرض اس محنت اور مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجوریں اجرت میں ملیں۔کھجوریں ساتھ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔

(مسند احمد جلد 1 صفحہ 135)

ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔موٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریکِ طعام تھے۔دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا۔انہوں نے کہا۔امیرالمومنین! آپ کو پرندہ کے گوشت کا شوق نہیں ہے؟ فرمایا: ابن زریر! خلیفۂ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے دو پیالوں کا حق ہے ایک خود کھائے اور اپنے اہل کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے۔

(مسند احمد جلد 1 صفحہ 78)

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔حضرت فاطمہؓ گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں۔ایک مرتبہ شفیق باپؐ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں۔حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے اس لیے واپس آ کر سو رہیں۔تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہ کی اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم کو ایک ایسی بات نہ بتادوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لیے مفید ہو۔اس کے بعد آپ نے تسبیح و تحمید کی تعلیم دی۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار **سبحان الله**، دس بار **الحمدالله** اور دس بار **الله اکبر** پڑھ لیا کرو اور جب سونے لگو تو 33 بار **سبحان الله** 33 بار **الحمدالله** 34 بار **الله اکبر** پڑھ لیا کرو۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو چھوڑا نہیں۔پوچھا کہ ''صفین (ایک جنگ کا نام ہے) کی شب میں

بھی نہیں؟ فرمایا! صفین کی شب میں بھی نہیں‘‘

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت علیؓ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے لیکن دل غنی تھا۔کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ گھر میں موجود تھوڑا بہت سامان تک دے دیتے۔ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جَو مزدوری میں حاصل کئے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو کچھ جَو پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا۔ابھی پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا۔ (بخاری)

انکساری

سادگی اور انکساری حضرت علیؓ کی صفات میں سے ایک بہت اہم صفت ہے۔ اپنے ہاتھ سے محنت ومزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کبھی جوتا ٹانکتے ،کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے۔

مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرش خاک پر بے تکلف سو جاتے۔ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں۔چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم غبار آلود ہو رہا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سادگی نہایت پسند آئی۔خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا۔قُم یَا اَبَاتُرَاب

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ باب مناقب علی)

مٹی والے! اب اٹھ بیٹھ۔زبان نبویؐ کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؓ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔

ایام خلافت میں بھی سادگی قائم رہی۔عموماً چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ پہنتے اور معمولی کپڑے کی تہہ بند باندھتے۔بازار میں گشت کرتے پھرتے اگر کوئی تعظیماً ساتھ ہو لیتا تو منع فرماتے کہ اس میں ولی کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے۔

(تاریخ طبری صفحہ 334)

شجاعت

شجاعت و بسالت حضرت علیؓ کا مخصوص وصف تھا جس میں آپ بے مثل تھے۔آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر پیش آیا۔اس وقت حضرت علیؓ نوجوان تھے لیکن اس عمر میں آپ نے تجربہ کار جنگجوؤں کے شانہ بشانہ جنگیں لڑیں۔

غزوہ خندق میں بھی پیش پیش رہے۔چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان میں جانے کی اجازت چاہی۔آپ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی۔خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی ،خداوندا! تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو۔ اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کر کے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کر لی ہے۔

غزوات میں غزوہ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے۔اس میں تمام قبائل عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف اُمڈ آئی تھی۔لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ ہر موقع پر ممتاز رہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اکابر صحابہ کو جھنڈے عنایت فرمائے ،ان میں حضرت علی مرتضیٰؓ بھی شامل تھے۔آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعۃً تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور صرف چند ممتاز صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ان میں ایک حضرت علیؓ مرتضیٰ بھی تھے۔عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔

دشمنوں سے حسن سلوک

حدیث میں آیا ہے کہ’’بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے‘‘

حضرت علیؓ مرتضیٰ اس میدان کے شہسوار تھے۔ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ

آرائی میں گزرا۔لیکن انہوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ ان کی حریف تھیں۔لیکن جب ایک شخص نے ان کے اونٹ کو زخمی کر کے گرایا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی اور ان کو ان کے طرفدار بصرہ کے رئیس کے گھر میں اتارا۔حضرت عائشہ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اس گھر کے ایک گوشے میں پناہ لی تھی۔حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے لیکن ان پناہ گزیں دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

جنگ جمل میں جو لوگ شریک جنگ تھے ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔مال غنیمت نہ لوٹا جائے۔جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان ہے۔‘‘

(مستدرک جلد 3 صفحہ 367)

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابن ملجم ہو سکتا تھا لیکن انہوں نے اس کے متعلق جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا،مثلہ نہ کرنا۔یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا۔ابن سعد میں ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ۔اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مر گیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑ لوں گا۔

(طبقات تذکرہ علی بن ابی طالب)

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

اصابت رائے

حضرت علیؓ کے مشورہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور آپ کی رائے پر عہد نبویؐ ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا چنانچہ آپ تمام اہم

امور میں شریک مشورہ کئے جاتے تھے۔واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ کیا ان میں سے ایک حضرت علیؓ بھی تھے۔غزوہ طائف میں آپ نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں کے مشیر تھے۔چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین وانصار میں جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے رکن حضرت علیؓ بھی تھے۔حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے۔

حدیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علیؓ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے فرمایا۔مَا اَجِدُ فِیْهَا اِلَّا مَا قَالَ عَلِیٌّ میرے نزدیک بھی اس کا وہی فیصلہ ہے جو علیؓ نے کیا۔‘‘

(ازالۃ الخفاء صفحہ 269 عن حمید بن عبداللہ بن یزید المدنی)

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علیؓ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے جس کا خلاصہ دینا یہاں مناسب ہوگا۔وہ لکھتے ہیں۔

’’وہ بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہیں مثلاً شجاعت،قوت،حمیت اور وفا۔وہ سب ان میں موجود تھے اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی میں صرف کیا اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیض ربانی کی آمیزش سے ایک ایک مقام پیدا ہوا۔ریاض النظرہ میں ہے کہ جب وہ راہ چلتے تھے تو اِدھر اُدھر جھکے ہوئے چلتے تھے اور جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے

تھے تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔ وہ تقریباً فربہ اندام تھے۔ ان کی کلائیاں اور ہاتھ مضبوط تھے۔ نیز دل کے مضبوط تھے۔ جس شخص سے کشتی لڑتے اس کو پچھاڑ دیتے تھے۔ بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے اس پر غالب آتے تھے۔ ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی۔

ان کے محاسنِ اخلاق میں ایک خلق ان کی غیر معمولی دلیری تھی۔ لوگوں کی خوب خاطر مدارت کرتے تھے۔''

حضرت معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علی کے اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! اس سے مجھے معاف فرمائیے۔ معاویہ نے اصرار کیا۔ ضرار بولے۔ اگر اصرار ہے تو سنیے۔ وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے۔ فیصلہ کن بات کہتے تھے۔ عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ ان کے ہر جانب سے علم کا سرچشمہ پھوٹتا تھا۔ ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے اجنبیت رکھتے اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا کھانا پسند تھا۔ ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے۔ جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے۔ باوجود یہ کہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے۔ لیکن خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے۔ غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا۔

یہ سن کر معاویہؓ رو پڑے اور فرمایا'' خدا ابوالحسن پر رحم کرے۔ خدا کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت علیؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''علیؓ تو جامع فضائل تھا اور ایمانی قوت کے ساتھ توام تھا۔''

(حجۃ اللّٰہ، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 182)

حلیہ

قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پر رونق و خوبصورت، سینہ چوڑا، بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا۔ سر پر بال بہت کم تھے اور شاید تمام عمر میں ایک مرتبہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

ازواج واولاد

حضرت فاطمہؓ الزہرا کے بعد حضرت علیؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے بکثرت اولاد ہوئی۔ ازواج میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لیلی بنت مسعود، اسماء بنت عمیر وغیرہ ہیں۔ جبکہ آپؓ کے 17 لڑکیاں اور 14 لڑکے تھے۔ ان میں سے جن سے سلسلہ نسل جاری رہا ان کے نام یہ ہیں۔ امام حسنؓ، امام حسینؓ، محمدؓ بن حنیفہ، عمرؓ

☆......☆......☆